75 Qiyaamah Makky Verses 40

سُورۂ قیامۃ

(مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں (۴۰) آیات ہیں)

ماقبل سے ربط سورۂ مدثر میں جو اس کے ماقبل کی سورت ہے جنت و دوزخ کے بیان کے علاوہ آخر میں ارشاد ہوا تھا۔ لا یخافون الآخرۃ۔ یعنی ان کفار کو آخرت کا کچھ بھی ڈر نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کا انسان کو خوف اسی وقت نہیں ہوتا جب کہ اس کو اس چیز کا یقین نہ ہو۔ کفار بھی منکر قیامت تھے۔ اس لئے اس سورت شریفہ میں قیامت ہی کا بیان فرمایا گیا اور اس کا نام بھی "سورۂ قیامت" رکھا گیا تا معلوم ہو کہ قیامت برحق اور وہ آنیوالی ہے۔ اس تقریر سے دونوں سورتوں کی مناسبت اور باہمی ربط ظاہر ہے۔ اس سورت کا دوسرا نام سورۂ لا اقسم بھی ہے۔ یعنی وہ سورت جسکی ابتداء اس کلمہ سے ہوئی ہے۔ اس سے سورۂ قیامۃ کی فضیلت نکلتی ہے، کیونکہ ناموں کی کثرت اسکی فضیلت کی دلیل ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ من سأل عن یوم القیامۃ فلیقرأ ھذہ السورۃ (عبد بن حمید، ابن المنذر) جو کوئی قیامت کے باب میں سوال کرے تو جواب میں یہ سورت شریفہ پڑھ سنا دینی چاہیے" کیونکہ اس میں قیامت کی پوری وضاحت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ 75-1 75-2

قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں (اُس) نفس کی جو ملامت کرے (برائی پر)۔

لَآ اُقْسِمُ کی تفسیر لَآ اُقْسِمُ میں حرف لَا کی نسبت مفسرین کرام کے حسب ذیل اقوال ہیں:۔

۱۔ لَا یہاں تاکید قسم کے صلہ کے طور پر لایا گیا ہے اور یہ جب بطور صلہ لایا جائے تو اس کے معنی نفی کے نہ ہوں گے گو یہ کلمہ نفی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ گویا یہاں لَا زاید ہے اور زاید کے کوئی معنی نہیں۔ قاضی بیضاویؒ لکھتے ہیں:۔ ادخال لا النافیۃ علی فعل القسم للتاکید شائع فی کلام العرب۔ فعل قسم پر لائے نفی کو تاکید کے لئے لانا عام طور پر کلام عرب میں مروج و مستعمل ہے۔" اس کے ثبوت میں شعرائے جاہلیت کے کئی اشعار دلیل و استشہاد کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ اور اسی کی بنا پر ہم نے تفسیر میں یہی معنی لکھے ہیں یعنی لَآ اُقْسِمُ بمعنی اُقْسِمُ۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بعض قراء نے لَاُقْسِمُ پڑھا ہے یعنی میں ضرور قسم

کھاتا ہوں" مطلب یہ ہوا کہ یہ لام تاکید ہے جو ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے اور اس کے فتحہ کی محافظت کے لئے اس کے بعد الف لکھا جانا صرف رسم الخط ہے یہ الف لکھا جائیگا مگر پڑھا نہ جائیگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ لَاْاِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ وغیرہ مقامات میں لام تاکید کے بعد الف محض فتحہ کی محافظت کے لئے لکھا گیا ہے جو صرف رسماً لکھا جاتا ہے مگر پڑھنے میں نہیں آتا یعنی یہ بتانا منظور ہے کہ یہ لام لامِ تاکید مفتوح ہے۔ لام کئی مکسور نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لام ابتدا ہے۔ لام تاکید نہیں۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ لَآ اُقْسِمُ میں جو لَا ہے وہ لائے نافیہ ہے لیکن نفی قسم کی نہیں بلکہ اس امر کی وضاحت کے لئے ہے کہ مقسم بہ یعنی جس کی قسم کھائی جارہی ہے اسکی عظمت و رفعت شان کے لئے قسم نہیں کھا رہا ہوں مقسم بہ بجائے خود ایسا باعظمت اور رفیع الشان ہے کہ اس کے لئے قسم کھانا اور نہ کھانا دونوں برابر ہیں۔ بلکہ نفس الامر کی وضاحت کے لئے قسم کھائی جارہی ہے۔ اور بعضوں نے یوں فرمایا ہے کہ مخاطب کے قول کی نفی کے لئے لائے نافیہ لایا گیا۔ چنانچہ کفار جو قیامت کے منکر ہیں ان سے کہا جارہا ہے کہ تمہارا یہ انکار صحیح نہیں۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ قیامت آنے والی ہے اس کا آنا برحق ہے۔ وہ اپنے وقت پر آکر رہیگی۔ تمہارا یہ انکار اسوقت مفید نہ ہوگا۔

غیر اللہ کی قسم کھانا رہا یہ امر کہ قسم اللہ سبحانہ کے نام کی کھائی جاتی، غیر اللہ یعنی

مخلوقات کی نہیں کھائی جا سکتی۔ اسکی نسبت یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ یہ حکم ہم بندوں کیلئے ہے۔ اللہ سبحانہ کو اختیار ہے کہ وہ جس چیز کی قسم کھانی چاہے کھا سکتا ہے۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس پر اعتراض کرے۔ لایسئال عما یفعل وھم یسئلون۔ افعال الٰہیہ کی نسبت سوال کہ ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا؟ اس کا کسی کو حق نہیں۔ برخلاف اسکے بندوں سے سوال ہو سکتا ہے کہ خلاف حکم کیوں کیا گیا؟ ؎

مرا در ارسد کبر یا دمنی — کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

اللہ سبحانہ جسکی چاہے قسم کھا سکتا ہے

حضرت ابن عباسؓ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں یقسم ربك بما شاء من خلقه۔ (ابن جریر، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیحہ) تمہارا پروردگار اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی قسم چاہے کھا سکتا ہے۔" یہ اس بنا پر ہے کہ قسم بمنزلہ گواہی و شہادت ہے۔ اگر بندہ غیر اللہ کی قسم کھائے تو بندے کو اس پر کسی قسم کا اقتدار نہیں۔ اور اللہ سبحانہ قادر ہے کہ جس چیز سے چاہے اپنی بات کی تصدیق کرا دے۔ کیونکہ کائنات کا ہر ہر ذرہ اسکی الوہیت کا شاہد ہے۔ واللہ اعلم۔

نفس لوامہ کی قسم

اسی طرح وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ کی تفسیر ذہن نشین کر لی جائے۔ یعنی اور میں قسم کھاتا ہوں نفس کی جو بُری باتوں اور بُرے کاموں پر خود کو ملامت کرتا رہتا ہے۔" یاد رہے کہ کسی چیز کی قسم کھانا اس امر کو بتلاتا ہے کہ وہ چیز باعظمت ہے

یا اس میں اللہ سبحانہ کی عظیم صنعت اور عظیم نعمت کو دخل ہے۔ پھر قسم کی تکرار اس امر کو بتلاتی ہے کہ جن دو چیزوں کی قسم کھائی جا رہی ہے ان میں سے ہر ایک بجائے خود مستقل نعمت اور مستقل صنعت عظیمہ کی حامل ہے۔ لہذا یہاں یوم قیامت' اور نفس لوامہ ان میں سے ہر ایک باعظمت' اور مستقل نعمت ہے جس میں عظیم صنعت الٰہی کارفرما ہے۔

نفس امّارہ صوفیۂ کرام نفس کی سات اقسام بیان فرماتے ہیں مگر مشہور اقسام تین ہیں اول نفس امارہ' نفس لوامہ' نفس مطمئنہ۔ قرآن کریم میں ان تینوں اقسام کا بیان بصراحت اسماء وارد ہوا ہے۔ سورۂ یوسفؑ میں ہے :۔ ان النفس لامّارۃ بالسوء الاما رحم ربّی۔ یقیناً نفس برائی کا حکم دیتا رہتا ہے مگر میرا پروردگار جس پر رحم فرمائے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔" چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضورؐ کا بھی نفس ہے؟ تو ارشاد مبارک ہوا کہ ہاں میرے لیے بھی لگا ہوا ہے الا ان اللہ اعاننی علیھا فلا تا مرنی الا بخیر۔ مگر اللہ سبحانہ نے اس کے مقابلے میں میری اعانت فرمائی ہے اب وہ سوائے خیر کے اور کسی چیز کا مجھے حکم نہیں دے سکتا۔"

نفس لوامہ دوسرا نفس لوامہ ملامت کرنے والا جس کا بیان یہاں فرمایا جا رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔ التی تلوم علی الخیر والشر تقول لو فعلت کذا وکذا۔ (عبد بن حمید' ابن المنذر) نفس لوامہ وہ ہے جو خیر اور شر

دونوں پر ملامت کرتا رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کاش میں ایسا کرتا ایسا کرتا۔" یعنی امر خیر کی نسبت اس کی ملامت یہ رہتی ہے کہ خیر میں اتنا تھوڑا سا حصہ کیوں لیا۔ اگر اس سے زیادہ حصہ لیا ہوتا تو اس سے زیادہ اچھی جزا کا مستحق ہوتا۔ اور امر شر کی نسبت ملامت اس طرح کہ فلاں بُرا کام کاش نہ کیا ہوتا جس کی پاداش میں آج پکڑا جا رہا ہوں۔ چنانچہ اگلی صراحت آگے آ رہی ہے۔

ملامت نفس کی تفسیر حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ان المؤمن لا تراہ الا یلوم نفسہ ما اردت بکلمتی ما اردت باکلتی ما اردت بحدیثی نفسی وما اراہ الا یعاتبھا وان الفاجر یمضی قدما لا یعاتب نفسہ (عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا) جو مومن ہے اس کو جب کبھی دیکھو وہ اپنے نفس کو ملامت کرتا ہوا پاؤ گے کہ میں نے جو بات اپنی زبان سے نکالی اوس سے میرا منشا کیا تھا؟ میں نے جو کھانا کھایا اس سے میرا مقصد کیا تھا؟ حدیث نفس یعنی وہ بات جو میں نے اپنے آپ کی اس سے میرا مطلب کیا تھا؟ (اگر یہ سب خالصاً لوجہ اللہ ہوتا تو کیا اچھا ہوتا مگر میرا منشا و مقصد اور مطلب ہی کچھ اور تھا) بہر حال مومن کو جب دیکھو وہ اپنے آپ پر عتاب ہی کرتا ہوا پاؤ گے۔ اور جو کافر فاجر ہے وہ (کسی حد پر رکتا ہی نہیں) اپنا قدم (کفر اور فجور کی طرف) بڑھائے جاتا ہے اور کبھی اپنے نفس پر عتاب نہیں کرتا۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس لوامہ مومن ہی کا

نفس ہوتا ہے۔ کافر فاجر کا نفس نفس لوامہ نہیں ہوتا۔

ہر نفس لوامہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: لیس من نفس برۃ ولا فاجرۃ الا و تلوم نفسھا یوم القیامۃ ان عملت خیرا قالت کیف لم ازدد منہ وان عملت شرا لیتنی قصرت۔ کوئی نفس خواہ وہ نیک ہو (جیسے نفس مومن) خواہ وہ بد ہو (جیسے نفس کافر) قیامت کے دن اپنے آپ کو ملامت کرتا رہیگا۔ اگر اچھے کام کئے (ایمان لایا اور عمل صالح میں لگا رہا) تو اس کو یہ پچھتاوا اور حسرت رہیگی کہ عمل صالح میں اس سے زیادہ حصہ کیوں نہ لیا؟ اور اگر برا کام کیا (ایمان تو لایا مگر اعمال صالحہ سے قاصر رہا۔ یا ایمان ہی نہ لایا) تو اس کو یہ حسرت رہیگی کہ یہ قصور و کوتاہی مجھ سے کیوں ہوئی؟ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا قول اس حدیث شریف کے منافی نہیں ہے۔ خواجۂ خواجگاں نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا تعلق حیات دنیا سے ہے۔ اور حدیث شریف میں جو ارشاد ہوا ہے وہ روز قیامت وقوع میں آئیگا۔ اس اعتبار سے ہر دو تصریحات بجائے خود درست ہیں۔ واللہ اعلم۔

نفس مطمئنہ تیسرا نفس مطمئنہ جس کا بیان سورۂ والفجر میں انشاء اللہ آئیگا۔ نفس مطمئنہ وہ ہے جس کو صوفیۂ کرامؒ کی اصطلاح میں فنا فی اللہ اور بقاء باللہ حاصل ہو۔ یعنی اپنی طرف سے کوئی قول و فعل صادر نہ ہو بلکہ جو کچھ بھی ہو وہ حکم الٰہی اور اسکی مرضی کے مطابق ہو یا سوی اللہ سے

اس کا دل خالی ہو۔ اور ہر حال وہر آن اسی مالک الملک جل جلالہ وعم نوالہ کی دُھن لگی ہو! انسان جب اس مرتبہ میں آتا ہے تو اللہ سبحانہ کے کلام اور اس کے ذکر سے ایسی لذت پاتا ہے کہ دوسری چیزوں کی طرف اس کا قلب مائل ہی نہیں ہوتا۔ ایسے نفس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ اسی سے کہا جائیگا، ۔ یاأیتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ اے اطمینان والی جان! اپنے پروردگار کی سمت خوشی خوشی چلی جا۔ درحالیکہ تجھے بھی خوشنود کیا جائیگا۔ پھر میرے عباد صالحین میں شامل ہو اور ان سب کے ساتھ میری جنت میں جا داخل ہو۔"

نفس کی تفسیر اصطلاحِ صوفیہ میں

صوفیۂ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم فرماتے ہیں نفس امارہ وہ ہے جسکا میلان تن پروری کی طرف لگا رہتا ہے اور جسمانی لذات اور نفسانی خواہشات وشہوات کی تکمیل سے اس کو واسطہ رہتا ہے۔ اس کا سبب علم الٰہی اقتضائے عقل اور تحصیل کمال سے دوری ہے۔ تہذیب نفس اور اخلاق فاضلہ سے اس کو دور کا تعلق بھی نہیں گویا ظلمت جہل اور اس کی تاریکی میں کھویا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے اشخاص سے جو اقوال وافعال صادر ہوں گے ظلمات بعضہا فوق بعض کا مصداق ہوں گے یعنی کسی طرح کی تاریکیاں ہیں اور ہر سمت سے اندھیری چھائی ہوئی ہے جو ایک دوسری سے بڑھی چڑھی ہے۔ آئینۂ عقل پر زنگ سا چڑھا ہوا ہے اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس پھندے میں پھنسے

رہنے کے باعث وہ ہمیشہ پستی میں پڑا رہتا ہے، ترقی کی راہ اس کو نصیب نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے نفس امارہ کو شر و فساد کا منبع اور اخلاق ذمیمہ کا ماوی کہا جاتا ہے۔ اور نفس لوامہ وہ ہے کہ اس کو علم صحیح سے کچھ سابقہ رہا۔ اور نفس امارہ کے خواب غفلت سے کسی قدر چونکا۔ اس علم کی بدولت، اس کا آئینۂ عقل زنگ سے صاف ہوا۔ اب اس میں ہر چیز اپنی اصلی صورت میں دکھائی دینے لگی۔ اپنے اقوال و افعال کا جائزہ لیتا گیا تو بعض اقوال و افعال ایسے پائے جو حکم عقل کے خلاف تھے، مگر نفس امارہ کے غلبہ سے وقوع میں آئے۔ اور بعض اقوال و افعال ایسے بھی پائے جو حکم عقل کے مطابق تھے۔ گویا آئینۂ عقل میں اچھی صورت نظر آئی تو اس سے خوش ہوا، اور بری دکھائی دکھائی دی تو اس پر نادم و پشیمان ہوا۔ ایسے اشخاص کا معاملہ خلطوا عملا صالحا و آخر سیئا کا مصداق ہے۔ یہاں اچھے برے سبھی قسم کے اقوال و افعال موجود ہیں۔ لہذا جس کو جسقدر خواب غفلت اور ظلمت جہل سے نجات ملی اسی قدر وہ خود کو برے بھلے کاموں کا مجموعہ قرار دیتا رہا۔ اس حالت میں اس کا بھی امکان ہے کہ بعض اچھے کاموں کو برا اور برے کاموں کو اچھا سمجھتا ہو کیونکہ اس کا علم درجۂ کمال کو نہیں پہنچا ہے۔ اور نفس مطمئنہ وہ ہے جس کا دل پوری طرح نورانی ہو چکا اور آئینۂ عقل نہ صرف جہل کے زنگ سے صاف ہوا بلکہ غبار غفلت تک کی وہاں رسائی نہیں۔ اس کا وجود کیا ہے، اخلاق حمیدہ اور ملکات فاضلہ کا مجموعہ ہے اس کا ہر قول و فعل ماسوی اللہ سے خالی اور مرضی الٰہی کے مطابق ہے اور ہر ساعت

ہر دم اللہ سبحانہ سے اس کی لو لگی ہوئی ہے وہ اس ظلمانی دنیا میں رہ کر بھی ملک و ملکوت کی سیر کرتا رہتا ہے اور اس کے لطف میں ایسا مستغرق ہے کہ دوسری طرف اس کا خیال تک نہیں جاتا۔

نفس لوامہ کا مقام درمیانی ہے

اس اعتبار سے نفس لوامہ کا درجہ نفس امارہ سے بالاتر اور نفس مطمئنہ سے کمتر سمجھنا چاہیے۔ گویا نفس لوامہ کا تعلق و میلان دونوں طرف ہے اور اس کا مقام اسفل و اعلیٰ کے درمیان ہے۔ نفس امارہ کی طرف رخ کرتا ہے تو اس سے گناہ و معصیت سرزد ہوتی ہے اور جب نفس مطمئنہ کی جانب اس کی توجہ ہوتی ہے تو اپنے ان افعال ذمیمہ پر نادم و پشیمان ہو کر خود کو ملامت کرتا ہے۔ جب اس کی حقیقت معلوم ہو چکی تو یوم قیامت کے ساتھ نفس لوامہ کی قسم اس لئے کھائی جا رہی ہے کہ قیامت کو برحق جاننے اور اس کو ماننے کی توقع اسی نفس لوامہ سے کیجا سکتی ہے رہا نفس امارہ وہ تو منکر قیامت ہے وہ قیامت کو کیا جانے؟ رہا نفس مطمئنہ اس کا کیا پوچھنا۔ اس کا مقام سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اسی تعلق و مناسبت سے یہاں نفس لوامہ کی قسم کھائی جا رہی ہے۔

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُ ۝ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ 75-3
أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ ۝ کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ جمع نہ کریں گے ہم اس کی ہڈیاں 75-4
کیوں نہیں، ہم ٹھیک کر سکتے ہیں اس کی پوریاں"۔

الانسان کی تفسیر

الانسان کی تفسیر دو طرح سے کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ عام انسان

بلا تخصیص احد سے مراد لیا جائے اس اعتبار سے ہر کافر منکر قیامت مراد ہوگا یعنی کفار کیا یہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم ان کے مرنے اور ان کی ہڈیاں سڑ جانے اور گل جانے کے بعد دوبارہ ان کی ہڈیوں کو جمع کر کے ان پر گوشت پوست چڑھا کر زندہ نہ کھڑا کریں گے؟ نہیں نہیں بلکہ ہماری قدرت کا یہ حال ہے کہ ان کی انگلیاں بلکہ ان کی ایک ایک پوری کو بھی حسب سابق بنا کر کھڑا کر سکتے ہیں۔ پھر ان کی بڑی بڑی ہڈیوں کو جمع کرنا ہمارے لئے کیا مشکل ہے؟

دوسری تفسیر دوسری تفسیر یہ ہے کہ الانسان سے کفار کا شخص خاص مراد لیا جائے۔ چنانچہ امام بغوی روایت کرتے ہیں کہ عدی بن ربیعہ جو اخنس بن شریق کا داماد تھا اور یہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوسی تھے اور آپ ان دونوں خبیثوں سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔ وہ مراد ہے، کہتے ہیں:۔ انه جاء الیه علیه الصلاة والسلام فقال یا محمد حدثنی عن یوم القیامة متی یکون وکیف یکون امرہ فاخبرہ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال لو عاینت ذالك الیوم لم اصدقك یا محمد ولم اومن به او یجمع اللہ تعالی هذہ العظام فنزلت عدی بن ربیعه ایک وقت حضور انور صلی اللہ علیه وآله وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ محمد! قیامت کے بارے میں بیان کیجئے کہ وہ کب آئیگی ہے اور اس دن کیا حال ہوگا؟ تو آپ نے اسکی خبر دی۔ یہ سن کر کہنے لگا محمد! اگر میں اس دن کا مشاہدہ بھی کر لوں تو نہ میں اسکی تصدیق کروں گا اور نہ اس پر ایمان لاؤں گا تا آنکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ان متفرق ہڈیوں کو جمع کر کے

نہ بتلائے۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی"

تیسری تفسیر تیسری تفسیر یہ ہے کہ انسان سے یہاں ابوجہل مراد ہے:۔ انہ کان یقول ایزعم محمد ان یجمع اللہ تعالٰی ھذہ العظام بعد بلائھا وتفرقھا فیعیدھا خلقا جدیدا فنزلت۔ وہ کہا کرتا تھا کیا محمدؐ کا یہ دعوی ہے کہ اللہ تعالٰی ان ہڈیوں کو ان کے بوسیدہ اور پراگندہ ہو جانے کے بعد پھر ان کو جمع فرمائیگا۔ اور ان کو اکٹھا کرکے ازسرنو دوبارہ جسم دیگا؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی"

فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ واقعات اگر وقوع میں آئے بھی ہوں تو آیہ کریمہ میں الانسان سے عام انسان مراد لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کیونکہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔ اعتبار لفظ کے عموم کا ہے سبب خاص کا اعتبار نہیں" آیت کسی خاص موقع پر نازل ہوتی ہے مگر اس کا حکم عام ہوتا ہے۔ اسی لئے تفسیر میں ہم نے معنی عام لکھے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بہرحال ارشاد ہو رہا ہے کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو (بوسیدہ اور پراگندہ ہو جانے کے بعد) ہرگز جمع نہ کر سکیں گے؟ بات ایسی نہیں ہے ہم کو پوری طرح قدرت ہے کہ اس کی انگلیاں بلکہ ان کی پوریاں بھی ایک ایک کر کے سب کو اکٹھا کر بنائینگے جب ہم اتنی چھوٹی چھوٹی پوریاں تک جمع کر سکتے ہیں تو ہڈیاں جمع کر دکھانا کونسی بڑی بات ہے؟ انگلیاں اور پوریاں ایک طرح زینت ہیں اور زینت و خوبصورتی امور زائد ہیں۔ غور کیجئے کہ جب اللہ سبحانہ کے لئے زینت و آرائش کا سامان پیدا کرنا موجب دشواری نہیں تو محض انسانی ڈھانچے کو زندہ کر کے اٹھا کھڑا کرنے میں کونسی دشواری حائل ہے۔

قادرین کی تفسیر بلی قادرین کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

لو شآء لجعله کخف البعیر او کحافر الحمار و لکن جعله اللہ خلقا سویا حسنا جمیلا تقبض به و تبسط به یا ابن آدم! (عبدالرزاق، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) اے فرزند آدم! (تجھے اللہ سبحانہ کی قدرت میں کلام ہے) اگر وہ چاہتا تو تیرے ہاتھ کو (جس میں انگلیاں اور پوریاں لگی ہوئی ہیں) اونٹ کے ناخن یا گدھے کے سُم کی طرح بنا دیتا لیکن اللہ سبحانہ کا فضل و کرم ہے کہ تیرے معتدل حسین جمیل ہاتھ بنائے۔ ایسے کہ تو مٹھی بنا کر اس سے قبضہ بھی کر سکتا ہے اور اسکو کھول بھی سکتا ہے۔“

انگلیاں اور پوریاں بھی نعمت ہیں

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ۔ ان اللہ اعف مطعم ابن آدم ولم یجعلہ خفا ولا حافرا فھو یأکل بیدیہ فیتقی بھا وسائر الدواب انما یتقی الارض بفمہ (عبد بن حمید، ابن المنذر) یقین جانو کہ اللہ سبحانہ نے ابن آدم کے غذا حاصل کرنے کا ذریعہ پاکیزہ ستھرا یا عزت بنایا (کہ اس کے کھانے کے لئے ہاتھ دئے) ہاتھوں کی جگہ اونٹ کے ناخن، یا گدھے کے سم نہیں بنائے چنانچہ وہ اپنے ہاتھوں سے کھاتا ہے اور ہاتھوں ہی کے ذریعہ اپنا بچاؤ کرتا رہتا ہے۔ دوسرے جانوروں کو دیکھو کہ وہ ہاتھوں کا کام اپنے منہ سے لیتے ہیں۔ اور اپنا منہ زمین پر رگڑتے رہتے ہیں۔“ اب یہی ابن آدم ہماری قدرت میں کلام کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع تک نہیں کرسکتے۔ حیف صد حیف وہ کیسی باتیں کر رہا ہے؟

75-5 بَلْ يُرِيدُ الْإِنسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۞ يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ ۞
75-6

بلکہ چاہتا ہے آدمی کہ ڈھٹائی کرے اس کے سامنے، پوچھتا ہے کہ کب ہوگا دن قیامت کا۔“

لیفجر امامہ کی تفسیر

ارشاد ہو رہا ہے کہ انسان اگر قیامت کا قائل ہوتا اور حساب و کتاب، سوال و جواب اور ثواب و عقاب کو مانتا تو اس کی آئندہ زندگی کی اصلاح ہو جاتی۔ سابقہ غلط کاری اور بے راہ روی کو چھوڑ دیتا، مگر افسوس ہے کہ وہ

قیامت کو تسلیم ہی نہیں کرتا اور اس کی حقانیت کے جو دلائل و براہین بتلائے گئے ہیں ان کو سننا ہی نہیں چاہتا اور نہ ان پر غور و فکر کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا ارادہ تو یہ ہے کہ جس گمراہی میں وہ اب تک پھنسا ہوا ہے آئندہ بھی اسی میں پڑا رہے۔ فسق و فجور اور کفر و عناد کا دروازہ جیسا کہ وہ شروع سے اپنے اوپر کھلا رکھا ہے آئندہ بھی اسی حالت میں پڑا رہکر فسق و فجور اور کفر و عناد میں لگا رہے۔ بھولے سے اگر قیامت کا نام یا اس کا بیان کبھی سُن لے بھی تو استہزا اور مذاق کے لہجے میں پوچھتا ہے کہ حضرت! وہ قیامت کب آتی ہے اور وہ اب ہے کہاں؟ ذرا اس کا پتہ تو دیجئے اور نشان تو بتلایئے۔

تفسیر سلف اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ یمشی قدما فی معاصی اللّٰہ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) اللہ سبحانہ کی نافرمانیوں میں قدم بڑھاتا ہی رہتا ہے۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ یقدم الذنب و یؤخر التوبۃ۔ (ابن ابی الدنیا، بیہقی) گناہ کی سمت پیش قدمی جاری رکھتا اور توبہ کو پیچھے ڈالتا جاتا ہے۔" حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ لا تلقی ابن آدم الا تنزع نفسہ الی معصیۃ اللّٰہ قدما الا من عصم اللّٰہ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) تم جب کسی ابن آدم سے ملو اس کو اسی حالت میں پاؤ گے کہ اس کا نفس

اس کو اللہ سبحانہ کے احکام کی نافرمانی کی سمت قدم قدم کھینچتا ہی رہتا ہے، مگر وہی مستثنیٰ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت سے محفوظ رکھا ہو۔" حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں :۔ لایجھل ابن آدم ان ربہ قادر علی جمع عظامہ لکنہ یرید ان یکفر امامہ۔ کوئی فرزند آدم بھی اس سے ناواقف نہیں ہے، یعنی ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا پروردگار اس کی ہڈیوں کو جمع کرنے پر پوری طرح قادر ہے لیکن اس کا ارادہ یہ ہے کہ (جس طرح ماضی وحال میں کفر پر اڑا ہوا ہے) مستقبل میں بھی کفر پر اڑا ہوا وجا ہوا رہے۔" حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں :۔ یقول سوف اتقرب سوف اعمل حتی یأتیہ الموت علی شر حالہ۔ انسان کہتا رہتا ہے کہ میں عنقریب تقرب الی اللہ کی راہ اختیار کروں گا اور قریب میں نیک اعمال شروع کردوں گا۔ تا آنکہ ایسا کہتے کہتے ہی اس کا آخری وقت آن پہنچتا ہے اور وہ اسی بدحالی کا شکار بنا رہ کر دنیا سے چل بستا ہے۔" کسی نے کیا خوب کہا :۔

چند گوئی کہ پیری رسم و توبہ کنم ہیچ دانی کہ بہ پیری برسی یا نہ رسی

بہر حال کفار نے کہا تھا اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ ۔ قیامت کب اور کہاں ہے؟ اس کا جواب ارشاد ہو رہا ہے :۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ 75-7
وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۙ 75-8
وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ 75-9

75-10

يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ پھر جب چندھلانے لگے آنکھ،
اور گہن میں آجائے چاند، اور اکٹھے ہوں سورج اور چاند، کہے گا آدمی اس دن کہاں
ہے موقع بھاگ جانے کا؟"

تفسیر حضرت ابن عباسؓ مفسرین کرام میں سے حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؓ رضی اللہ عنہم نے یہاں حالت موت مراد لی ہے یعنی عالم نزع میں جب آخرت کا عالم انسان پر کھل جائے تو اس کی آنکھیں چندھلانے لگیں گی اور عقل ماند پڑ جائیگی، حواس مختل ہو جائیں گے تو انسان گھبرا کر کہنے لگتا ہے کہ اس نازک حالت میں کہاں بھاگ جاؤں۔ فرار کا وقت اور کوئی اس کا محل ہوتا تو بھاگ جاتا۔ مگر اس صورت میں چاند، سورج، خسوف، وغیرہ کے حقیقی معانی چھوڑ کر مجازی کی طرف جانا پڑتا ہے۔ گو آیات کریمہ کے معنی درست ہو جاتے ہیں لیکن مجازی معنی اس صورت میں لئے جاتے ہیں جبکہ حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہ ہو یا اس میں کوئی دشواری حائل ہو۔

دیگر مفسرین حضرت ابن جریج مجاہدؒ اور عطاء بن یسار وغیرہم ان واقعات کو روز قیامت سے متعلق فرمایا ہے۔ یعنی اس دن اللہ سبحانہٗ کے قہر کی تجلی ہو گی تو انسان کی آنکھیں چندھلانے لگیں گی۔ آفتاب سر کے قریب آجائیگا تو گرمی کی شدت سے لوگ پسینے میں شرابور ہو جائیں گے، پھر چاند بے نور ہو جائے گا جیسے گہن کی حالت میں ہوتا ہے۔

پھر سورج اور چاند لپیٹ دیئے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت عطا ابن یسارؒ جمع الشمس والقمر کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ یجمعان یوم القیامۃ ثم یقذفان فی البحر فیکون نار اللہ الکبریٰ۔ (ابن جریر، ابن المنذر) سورج اور چاند کو قیامت کے دن اکٹھا کیا جائیگا پھر ان کو سمندر میں ڈال دیا جائیگا جس سے اللہ سبحانہ کی آگ جو بڑی ہی زبردست ہوگی بھڑک اٹھیگی۔" اور حضرت مجاہد و ابن جریج سے مروی ہے:۔

کورا یوم القیامۃ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) چاند اور سورج دونوں قیامت کے دن لپیٹ دیئے جائیں گے۔" انکی یہ جسامت اور پھیلاؤ باقی نہیں رہیگا۔

ایک اشکال اور اسکا جواب اس روایت کی نسبت بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ سورج کا حجم سمندر سے کئی گنا بڑا ہے، ان دونوں کا باہمی تناسب مچھر اور ہاتھی کے تناسب سے بھی زائد ہے۔ جب اکیلا سورج، سمندر سے اتنا بڑا ہے تو جس صورت میں سورج کے ساتھ چاند کو بھی اکٹھا کیا جائے ان کا تناسب سمندر کے مقابلہ میں اور بھی بڑھ جائے گا، پھر یہ دونوں سمندر میں کیونکر ڈال دیئے جاسکیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چاند اور سورج کا لپیٹ دیا جانا بھی روایات بالا میں آیا ہے۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ لپیٹ دیئے جانے کے بعد ان کا پھیلاؤ کم ہو جائے جیسا کہ کپڑے کا کوئی تھان اگر کھول دیا جائے تو اس کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کو لپیٹ

لیا جائے اور رَٹ کر دیا جائے تو وہ ایک آدمی کے ہاتھ میں آجاتا ہے اس کے لئے زیادہ جگہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح چاند سورج اور سمندر کا تقابل کر لیا جائے۔ اور دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ "بحر" (سمندر) سے دنیا کا سمندر مراد لیا جائے تو بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر آخرت کا کوئی گوشہ مراد ہو تو کوئی اشکال نہیں باقی رہتا۔ بہرحال قیامت مراد ہو یا حالت نزع اور موت کیونکہ وہ بھی قیامت صغریٰ ہے اس دن انسان پریشان و حیران ہو کر گھبرایا گھبرایا ہوا ہوگا اور کہیگا اَیْنَ الْمَفَرُّ بھاگ جانے کی مہلت اور جگہ کہاں ہے؟ ارشاد باری ہو رہا ہے:۔

كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۝ يُنَبَّؤُا الْإِنسَانُ 75-11
75-12
يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۝ کوئی نہیں کہیں نہیں ہے بچاؤ، تیرے رب تک 75-13
ہے اس دن جا ٹھہرنا، جتلا دیں گے انسان کو اس دن جو اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا"

لَا وَزَرَ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے آیۂ کریمہ كَلَّا لَا وَزَرَ کی تفسیر میں فرمایا:۔ لا حصن ولا ملجأ ولا حرز ولا جبل۔ (عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) کوئی قلعہ نہیں ہے اور نہ کوئی پناہ کی جگہ، یا یہ کہ نہ کوئی بچاؤ ہے اور نہ کوئی پہاڑ" اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: کان الرجل

یکون فی ماشیتہ فتأتیہ الخیل بغتۃ فیقول لہ صاحبہ الوزر الوزر ای اقصد الجبل فتحصن بہ (ابن جریر، ابن المنذر) انسان اپنے مویشی کو (جنگل میں) چراتا رہتا، اتنے میں یکایک سوار نظر آتے (کہ حملہ آور ہونا چاہتے ہیں) تو اس کا ساتھی کہتا الوزر الوزر یعنی پہاڑ کی راہ لے اور وہاں اپنے مویشی کی حفاظت کا سامان کرلے۔" یہ بھی فرمایا :۔ کانت العرب اذا نزل بھم الامر الشدید قالوا الوزر الوزر فلما ان جاء اللہ بالاسلام قال کلا لا وزر قال لا جبل۔ (عبد بن حمید) جاہلیت میں عربوں کا دستور تھا کہ جب ان پر کوئی شدید حادثہ (حملہ وغیرہ کا) درپیش ہوتا تو کہتے الوزر الوزر۔ کسی پناہ گاہ میں پناہ ڈھونڈھ لو۔ جب اللہ سبحانہ نے اسلام کو غلبہ دیا تو فرمایا کہ اب تمھارے لئے کوئی جائے پناہ پہاڑ وغیرہ نہیں ہے"۔ بہرحال یہ بتانا منظور ہے کہ تمھارا محاورہ الوزر الوزر اب کارآمد نہیں۔ اللہ سبحانہ کے حکم کے آگے کوئی جائے پناہ نہیں ہوسکتی۔ پناہ گاہ ہو یا قلعہ یا پہاڑ یا بچاؤ کی کوئی اور تدبیر کچھ بھی مفید نہیں ہوسکتی۔

جائے پناہ اللہ ہی ہے اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمُسْتَقَرُّ ۔ اے انسان! اس دن تیرے رب کے پاس ہی تیری جائے قرار ہے"۔ لہٰذا اپنا بچاؤ چاہتا ہے تو تجھے حفاظت الٰہی میں ہی آجانا چاہیئے۔ اور اس کی ایک ہی صورت ہے کہ اس کا دین قبول کرلے جو دین اسلام ہے

اس کے بھیجے ہوئے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کر اور اس کی اتاری ہوئی مقدس کتاب قرآن کریم پر ایمان لا اور اس کے بتائے ہوئے احکام پر چلتا رہ۔ یہی راہ نجات ہے۔ اگر تو اس کو قبول کریگا تو تمام آفات و بلیات سے تجھکو نجات ملیگی۔ اور اگر اس کا خلاف کریگا تو پھر کہیں کا نہ رہیگا۔ اور کہیں پناہ نہ ملیگی۔ یہ آیہ کریمہ گویا فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰہِ کے ہم مضمون ہے۔

ینبؤ کی تفسیر یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ۔ اس دن انسان کو باخبر کیا جائے گا ان تمام کاموں سے جن کو اس نے آگے بھیجا اور جن کو پیچھے چھوڑا۔ انسان دنیا میں جو کچھ کرتا ہے اچھا ہو یا برا سب کچھ اس کے نامۂ اعمال میں لکھا ہے۔ اعمال نامہ اس دن ہر شخص کو دیا جائے گا اور اس کو اس ذریعہ سے اپنے کئے کی خبر ہوجائیگی۔ نیز جن کاموں کو نہ کیا بلکہ پس پشت ڈال دیا اکی بھی خبر ہوگی۔ اگر اچھے کام کئے اور برے کام پیچھے ڈال دئے تو اس کے مطابق اس کو ہر ہر عمل کی اچھی جزا ملیگی اور اگر اچھے کاموں کو پیچھے ڈال دیا اور برے کاموں میں لگا رہا تو اسی کے بموجب اس پر ذمہ داری رہیگی اور سزا کا مستحق ٹھہریگا۔

تفسیر حضرت ابن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ینبأ الانسان بما قدم من عملہ وما اخر من سنۃ عمل بھا من بعدہ من خیر او شر

(عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) انسان کو خبر دار کیا جائے گا اُس کے اُن اعمال سے جو اُس نے کئے۔ اور اس طریقہ سے جس کو اس نے اپنے بعد والوں کے لئے چھوڑا اور وہ اس کے چھوڑے ہوئے طریقہ کے مطابق عمل کرتے رہے۔ اس کا کیا ہوا عمل اور چھوڑا ہوا طریقہ اچھا ہو یا بُرا" اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کو اچھا عمل کرنا اور اچھا نمونہ چھوڑ جانا چاہیئے تاکہ اس کو اپنے عمل اور اپنے چھوڑے ہوئے نمونے کے مطابق ثواب ملتا رہے۔ اور اگر کوئی بُرا کریگا اور بُرا نمونہ چھوڑ جائے گا تو اس کی تمام تر ذمہ داری خود پر رہیگی۔ اور اس برے نمونہ پر عمل کرنے والے بھی اپنی ذمہ داریوں سے بچ نہ سکیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

عالم نزع کا حال حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ ینزل ملك الموت علیہ مع حفظة فیعرض علیه الخیر والشر فاذا رأی حسنة هش واشرق واذا رأی سیئة غض وقطب (ابن ابی الدنیا) انسان کا وقتِ اخیر آپہنچتا ہے تو موت کا فرشتہ محافظ جماعت کے ساتھ اترتا اور اس انسان پر اس کے خیر و شر کو پیش کرتا ہے۔ جب وہ اپنی نیکیوں کو دیکھتا ہے تو خوش ہوتا اور اس کا چہرہ مارے خوشی کے چمکنے لگتا ہے۔ اور اگر وہ بُرائی دیکھتا ہے تو شرم کے مارے آنکھیں نیچی کر لیتا ہے اور اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے"

پیش کشی اعمال حضرت مجاہد فرماتے ہیں :۔ بلغنا ان نفس المؤمن لا تخرج حتیٰ یعرض علیہ عملہ خیرہ وشرہ۔ (ابن ابی الدنیا) ہم کو یہ حدیث شریف پہنچی ہے کہ انسان کی جان نکلنے نہیں پاتی تا آنکہ وہ اپنے عمل کو نہ دیکھ لے۔ خواہ اس کا عمل اچھا ہو یا برا۔"

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ ۙ وَّ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ ؕ 75-14 75-15

بلکہ آدمی اپنی ذات کو خوب دیکھتا ہے اگرچہ پیش کرتا ہو اپنے بہانے۔"

انسان کو اپنی ذات کا علم حضوری عالم نزع ہو یا روز قیامت، انسان کو اپنے کئے ہوئے افعال اور کہے ہوئے اقوال اور تیار کئے ہوئے اعمال سب کچھ یاد ہوں گے۔ اس لئے کہ انسان کو اپنا علم حضوری ہے، دوسروں سے دریافت کرنے اور ان سے حاصل کرنے کی مطلقاً ضرورت نہ ہوگی۔ جب یہ حالت ہے تو اعمال نامہ یا شہادت پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی ڈھٹائی کرکے جانتا بوجھتا ہوا بھی عذر تراشی سے کام لینا چاہے۔ یا انکار کرے۔ یا ذمہ داری دوسروں کے سر ڈالنے کی کوشش کرے۔ جیسا کہ دنیا میں مجرمین کیا کرتے ہیں لیکن ہر مجرم اپنے جرم کے احوال سے خوب واقف ہوتا ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی ڈھٹائی سے کام لے۔

انسان اپنا آپ گواہ ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ شاھد علیھا بعملھا لواعتذر یومئذ بباطل لم یقبل اللہ ذالک منہ یوم القیامۃ۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر) انسان اپنے نفس کے کئے ہوئے اعمال کا خود ہی گواہ ہے گو اس دن باطل عذرات پیش بھی کرے تو اللہ سبحانہٗ بروز قیامت اس کے ان عذرات کو قبول نہ فرمائے گا" نیز آپ نے یہ بھی فرمایا:۔ اذا شئت رأیتہ بصیرا بعیوب الناس غافلا عن عیبہ قال وکان یقال فی الانجیل مکتوب یا ابن آدم اتبصر القذاۃ فی عین اخیک ولا تبصر الجذل المعترض فی عینک۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) انسان اپنے نفس کے اعمال کا خود ہی گواہ ہے، اس کی تصدیق چاہتے ہو تو بسا اوقات انسان کو تم دیکھتے ہو کہ وہ لوگوں کے عیوب کو تو خوب دیکھتا رہتا ہے اور اپنے عیوب سے غافل رہتا ہے۔ نیز یوں کہا جاتا تھا کہ انجیل مقدس میں لکھا ہے:۔ اے فرزند آدم! کیا تو اپنے بھائی کی آنکھ میں کا تنکہ تو دیکھ لیتا ہے اور شہتیر جو تیری آنکھ میں ہے اس کو نہیں دیکھتا" حضرت سعدی فرماتے ہیں: ؎

مرا پیر دانائے فرخ شہاب دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

اعضاء و جوارح گواہی دینگے

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ سمعه وبصره ويده ورجليه وجوارحه ولو تجرد من ثيابه ۔ (ابن جریرؒ ابن المنذرؒ ابن ابی حاتمؒ) انسان کے کان' آنکھ' ہاتھ' دونوں پاؤں' اور سارے اعضا گواہ ہیں اگرچہ وہ (نہ پہچانا جانے کے لئے) اپنے تمام کپڑے اتار دے'' تب بھی قیامت میں اس کا ایک ایک عضو گواہی دیگا کہ میں نے یہ یہ کام کئے ہیں۔

معاذیرہ کی دوسری تفسیر

حضرت ضحاک اور سُدّی فرماتے ہیں :۔ معناه ولو ارخى الستور واغلق الابواب عند فعل المعصية ليخفى ما يعمل فلا ينفع فان نفسه عليه شاهد وكذا الموكل به والله على كل شيئ شهيد واهل اليمن يسمون الستر معذارا وجمعه معاذيرة ۔ ارشاد باری تعالی ولوالقی معاذیرہ کے معنی یہ ہیں کہ اگرچہ انسان معصیت کرتے وقت پردے چھوڑ دے اور دروازے بند کرلے تاکہ اس کا عمل چھپا رہے تو یہ ساری تدبیریں کچھ بھی مفید نہ ہونگی کیونکہ انسان خود اپنی ذات پر آپ گواہ ہے۔ نیز جو فرشتے انسان پر مقرر ہیں' وہ بھی گواہ ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر اللہ سبحانہ کی ذات قدسی صفات ہے جو ہر چیز پر پوری پوری گواہ ہے ۔ اہل یمن پردے کو مِعذار کہتے ہیں' جس کی جمع معاذیرۃ آتی ہے''

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ 75-16 75-17
وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا 75-18 75-19
بَيَانَهٗ ۝ نہ ہلاتے جائیے اپنی زبان (اس کے پڑھنے پر) تاکہ جلدی سیکھ لیں اس کو
یقیناً ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا (آپ کے سینہ میں) اور پڑھنا (آپ کی زبان سے)
پھر جب ہم پڑھنے لگیں (فرشتے کی زبانی) تو آپ ساتھ رہیں اس کے پڑھنے کے، پھر مقرر
ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتانا۔"

شانِ نزول حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعالج من التنزیل شدۃ وکان یحرّک بہ لسانہ وشفتیہ مخافۃ ان یتفلّت منہ یرید ان یحفظہ فانزل اللہ لا تحرّك بہ لسانك لتعجل بہ انّ علینا جمعہ وقرآنہ قال یقول انّ علینا ان نجمعہ فی صدرك ثم تقرؤہ فاذا قرأناہ یقول اذا انزلناہ علیك فاتبع قرآنہ فاستمع لہ وانصت ثم انّ علینا بیانہ بیّنہ بلسانك وفی لفظ علینا ان نقرأہ فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذلك اذا اتاہ جبریل اطرقہ وفی لفظ استمع فاذا ذھب قرأہ کما وعدہ اللہ عزّ وجلّ (طیالسی، امام احمدؒ، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن الدنیا، طبرانی،

ابن مردویہ، ابونعیم، بیہقی) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزول قرآن کریم کے موقع پر شدت محسوس فرماتے اور اپنی مبارک (زبان) اور ہونٹھ ہلاتے رہتے اس اندیشے سے کہ کچھ حصہ وحی کا حافظہ سے چھوٹ نہ جائے۔ اس پر اللہ سبحانہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی جس کا مضمون یہ ہے کہ جلدی کے خیال سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے یعنی یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کتاب کو آپ کے سینۂ مبارک میں ہم محفوظ کرا دیں گے اس طرح کہ آپ بے تکلف پڑھ سکیں، پھر جب (فرشتے کی زبانی) ہماری کتاب کی پڑھائی ختم ہو جائے تو آپ اس کا اتباع کئے جائیے یعنی اپنی پڑھائی جاری رکھئے۔ پھر اس کی وضاحت اور بیان بھی ہمارے ذمہ ہے یعنی آپ اپنی زبان مبارک سے اس کی تفسیر و توضیح بیان کیا کیجئے یا یہ کہ ہم ہی اس کی وضاحت کیا کریں گے۔ چنانچہ ان آیات کریمہ کے نزول کے بعد جب کبھی حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے تو آپ گردن جھکائے ہوئے ہمہ تن گوش ہو کر اس کی سماعت فرماتے اور جب وہ چلے جاتے تو آپ پوری وحی اللہ سبحانہ کے وعدے کے مطابق پڑھ سناتے تھے"۔

طلب علم کے آداب ارشاد ہو رہا ہے کہ جبرئیلؑ جب تک آپ کو قرآن کریم سناتے رہیں، خاموش سنتے رہیے اپنی زبان مبارک کو حرکت نہ دیجئے اس کے چھوٹ جانے کا اندیشہ کرکے جلدی نہ کیجئے۔ وحی کو آپ کے سینۂ مبارک میں محفوظ کرنا کہ اسکے الفاظ و معانی

پوری طرح آپ کے ذہن نشین ہوجائیں ہمارے ذمہ ہے۔ جب وحی کا القاء جو جبریلؑ کے ذریعہ ہوتا ہے تکمیل پاچکے تو اس کے مطابق آپ پڑھا کیجئے۔ اس پوری وحی کو آپ کی زبان مبارک سے پڑھوا دینا ہمارا کام ہے کہ اس میں ذرا سی کمی یا تغیر نہ آنے پائے۔ پھر اس کے معانی و مطالب یا احکام وغیرہ میں کچھ ابہام یا اشکال ہو تو ہم ہی اس کی وضاحت بھی کردیں گے۔

اس آیۂ کریمہ سے کئی امور پر روشنی پڑتی ہے:

۱۔ طالب علم کا فرض ہے کہ سلسلۂ خطاب جب تک جاری رہے سکوت اختیار کرے۔

۲۔ تحصیل علم میں عجلت کارفرما نہ ہو۔ بلکہ علم کو پختگی اور مضبوطی کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور ہمہ تن گوش ہوکر تقریر سنتے رہیں۔ تقریر ختم ہونے پر اس کا اعادہ کیا جائے۔

۳۔ جو کچھ القاء ہوا ہے اس میں کوئی ابہام یا اشکال پایا جائے تو اس کی وضاحت بعد کو ہوسکتی ہے۔ اسی وجہ سے ثمّ انّ علینا بیانہ ارشاد ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ کلمۂ ثمّ تعقیب و تاخیر کے لئے ہے۔ یعنی مبہم کی تفسیر وقت خطاب کے بعد بھی ہوسکتی ہے۔ مگر وقت حاجت کے بعد نہیں ہوسکتی۔ یعنی عمل کا وقت آنے سے پہلے ابہام رفع کردیا جائے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ عمل کا وقت آجائے اور طریقۂ عمل نہ بتایا جائے۔

بعض لوگوں نے وقت خطاب اور وقت حاجت میں فرق نہ کرکے اصول فقہ کے اس مسلمہ مسئلہ کو پیچیدہ بنادیا ہے درحقیقت کوئی پیچیدگی نہیں یعنی مبہم کی تفسیر میں اتنی تاخیر نہیں ہو سکتی کہ اس پر عمل کرنے کا وقت نکل جائے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۙ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۗ کوئی نہیں 75-20 75-21

بلکہ تم چاہتے ہو جو جلد ملے اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے "

عجلت پسندی انسان کی فطرت ہے

حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ اختار اکثر الناس العاجلة الا من رحم الله وعصم۔ (عبد بن حمید) اکثر لوگوں نے جلد ملنے والی چیزوں کو پسند کرنا شروع کردیا ہے۔ بجز ایسی ہستیوں کے جن پر اللہ سبحانہ نے مہربانی فرمائی اور ان کو ایسی جلد بازی سے محفوظ رکھا" وہ مستثنیٰ ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

عجلت لهم الدنيا سناها وخيرها وغيبت عنهم الآخرة۔ (عبداللہ بن احمد) دنیا کی چمک دمک اور اس کی بھلائی ان کو نقد وحاضر دکھائی دیتی ہے اور آخرت کی خوبی ان کی آنکھوں سے چھپادی گئی ہے "

اہل اللہ کا امتیاز

مطلب یہ کہ انسان جلد باز واقع ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:۔ خلق الانسان من عجل۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ اچھے لوگ آخرت کے کاموں کی طرف

سبقت کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی الٰہی کو یاد کر لینے کے لئے سبقت فرمایا کرتے تھے۔ اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو متاع دنیا کو نقد سمجھ کر اس کے پیچھے دوڑتے رہتے ہیں اور آخرت کو ادھار سمجھ کر اسکو پس پشت ڈالتے اور اس سے تغافل برتتے ہیں۔ اور اسی کے منجملہ آخرت کا انکار ہے جو کفار کیا کرتے ہیں۔ اگر ان کو ذرا بھی عقل وفہم ہوتی تو ہر کام کے انجام پر نظر رکھتے۔ جلد بازی سے کام نہ لیتے مگر اپنی حمق سے دنیا کی لذتوں کے دلدادہ بنے ہوئے ہیں اور لذات دنیوی کے انہماک نے ان کی آنکھوں کو نعیم آخرت سے بند کر دیا ہے۔ اور دلوں پر دنیا کی چاشنی کا وہ اثر ہے کہ آخرت کی طرف ان کے قلوب مائل ہی نہیں ہوتے۔ جیسا کہ شاعر خود اعتراف کرتا ہے :۔

جانتا ہوں ثواب طاعت و زُہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

تفسیر طیبیؒ علامہ طیبی طاب ثراہ فرماتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ کلا بل تحبون العاجلۃ کا تعلق قولہ تعالیٰ ولو القی معاذیرہ سے ہے۔ مطلب یہ کہ انسان جب آخرت میں بہانے پیش کرے گا اور عذر تراشی سے کام لیگا تو اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ تمہارا کوئی عذر لائق سماعت نہیں کیونکہ تم وہ ہو جو فسق وفجور میں مبتلا رہے اور تمہارا خیال یہ تھا کہ اسی فسق وفجور میں تم ہمیشہ پڑے ہوئے دنیا کے

مزے لوٹتے رہو گے۔ نہ موت ہے۔ نہ مر کر اٹھنا ہے۔ نہ حساب ہے نہ کتاب۔ نہ سزا و جزا۔
جبھی تو جلد ملنے والی چیزوں سے تم کو محبت تھی اور دیر سے آنیوالی چیزوں کا انکار تھا۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ مفسرین کرام کے اِن اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے ہر ایک قول اپنی جگہ درست ہے۔ مقصود اصلی جلد بازی سے منع کرنا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب وحی الٰہی کو یاد کر لیتے اور ذہن شریف میں محفوظ کرنے میں سبقت فرمانا چاہتے تھے اور یہ صورت تحصیل علم کی تھی کہ علم سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ با ایں ہمہ حضور انور کو ایسی عجلت سے منع فرمایا گیا تو کفارِ دنیا کی جن جلد بازیوں میں گرفتار ہیں اور آخرت سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں ان کی برائی کا کیا ٹھکانہ ہوگا؟ غور کر لیجئے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ وَوُجُوْهٌ 75-22 75-23
يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ۙ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۗ 75-24 75-25

کتنے منہ اس دن تازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھنے والے، اور کتنے منہ اس دن اُداس ہوں گے، خیال کرتے ہوں گے کہ کیا کیا جائے گا ان کے ساتھ (وہ سلوک) جو کمر کے منکے توڑنے والا ہے"

دیدار الٰہی آخرت میں جو امور در پیش ہوں گے از انجملہ سب سے اہم اور اعلیٰ و ارفع نعمت

دیدار الٰہی ہے کہ دنیا و آخرت کی کوئی نعمت اس کی ہمسری نہیں کرسکتی۔ مگر اس نعمت عظمیٰ سے کفار محروم رہیں گے اس لئے کہ یہ رویت دار آخرت میں میسر ہوسکیگی اور کفار قیامت اور آخرت کے منکر ہیں۔ نیز وہ لوگ بھی اس سے بے بہرہ رہیں گے جو دیدار کے قائل نہیں۔

رویت باری تعالیٰ حق ہے دیدار الٰہی ہم اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کا ایک مستقل مسئلہ ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ وجوہٌ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربّھا ناظرۃ بروية البصر بلا کیف ولا جھۃ ولا ثبوت مسافۃ ولا بقیاس الغائب علی الشاھد۔ یعنی کتنے چہرے تر و تازہ بارونق ہوں گے جو اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے، ان کی یہ رویت بصری ہوگی رہا یہ بیان کہ وہ کیسی ہوگی، اس کی کیفیت نہیں بتائی جاسکتی۔ اور نہ اس کی جہت بتائی جاسکتی ہے کہ وہ سمت مشرق، مغرب، شمال یا جنوب میں ہے۔ نہ اس کا تحت و فوق ہے۔ اور اگر کہیں لفظ فوق اس کی شان میں استعمال کیا گیا ہے تو فوقیت حقیقی مراد نہیں جس سے سمت فوق سمجھی جائے بلکہ برتری و عظمت مراد ہے۔ اور نہ بندے اور اللہ سبحانہ کے درمیان مسافت ثابت کیجاسکتی ہے کہ اللہ سبحانہ کو اتنے فاصلے پر سے دیکھا۔ اس لئے کہ یہ تمام اوصاف (کیف، جہت، مسافت)

عالم اجسام کے لئے ضروری ہیں۔ اللہ سبحانہ کی ذات جسم و جسمانیات سے منزہ ہے
اور نہ کسی محسوس ومشاہد پر اس کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ یعنی جو اشیاء ہم کو محسوس
ہو رہی ہیں اور ہم جن کا مشاہدہ کر رہے ہیں ان پر اللہ سبحانہ کو قیاس نہیں کیا
جاسکتا۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ کی ذات ہے۔ لیس کمثلہ شیئ۔ کوئی چیز
اس کی مانند نہیں ہوسکتی "۔ اللہ سبحانہ کی ذات ساری کائنات سے منزہ ہے۔
بہرحال رویت باری تعالیٰ حق ہے جس کی تفصیل اوپر گزری۔ اللہم ارزقنا رؤیۃ
جمالک لیس فوقہ نعمۃ۔ الٰہی! ہم کو اپنے جمال بے کیف و بے چون و بے چگوں کا دیدار
نصیب فرمائے کہ جس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں ہوسکتی۔ آمین ثم آمین بجاہ
سید المرسلین سیدنا محمد وآلہ و اصحابہ اجمعین و برحمتک یا ارحم الراحمین۔

ناضرۃ وناظرۃ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ وجوہ
یومئذ ناضرۃ قال حسنۃ الی ربہا ناظرۃ نظرۃ الی الخالق۔ (آجری
بیہقی) اس دن کتنے تروتازہ، بارونق، خوبصورت چہرے ہوں گے جو اپنے خالق
پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے "۔ حضرت حسن بصریؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ادنیٰ جنتی کا اعزاز حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا:۔ ان ادنی اھل الجنۃ منزلۃ من ینظر الی جنانہ و

ازواجه ونعيمه وخدمه وسرره مسيرة الف سنة واكرمهم على الله من ينظر الى وجهه غدوة وعشية ثم قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم وجوه يومئذ ناضرة ۔ (امام احمدؒ، ترمذیؒ، دارقطنی، لالکائی، آجری)

ادنیٰ جنتی کا یہ حال ہوگا کہ وہ اپنے باغات، بیگمات، نعمات، خدام اور تخت وغیرہا کا مشاہدہ ایک ہزار سال کی مسافت تک کرتا ہوگا۔ (گویا یہ اس کی ریاست ہوگی) اور اللہ سبحانہ کے نزدیک سب سے باعزت وہ جنتی ہوگا جو اپنے رب کو روزانہ صبح شام دو دفعہ یا یہ کہ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک دیکھتا رہیگا (اور اسی رویت میں مستغرق ہوگا) پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آیت وجوہ یومئذ ناضرۃ آخر تک اس کے ثبوت میں تلاوت فرمائی"۔

ایک روایت یوں ہے:۔ ادنى اهل الجنة منزلة من ينظر فى ملكه مسيرة الفى عام يرى اقصاه كما يرى ادناه ۔ (آجری) ادنیٰ ترین درجہ کا جنتی وہ ہوگا جس کی سلطنت دو ہزار سال کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہوگی اور وہ اس کے انتہائی حصہ کو بھی اسی طرح دیکھتا ہوگا جیسا کہ وہ اس کے نزدیک تر حصہ کو دیکھتا ہوگا"۔

روز جمعہ کی فضیلت حضرت انسؓ کی روایت میں یہ بھی ہے:——

یوم الجمعۃ یزداد فیھا نظرا الی وجھہ تعالی ولذلک دعی یوم المزید (بزار، طبرانی، بیہقی، ابویعلی) جمعہ کے دن رویت باری تعالیٰ کا زیادہ موقع نصیب ہوگا۔ اسی وجہ سے جمعہ کو یوم المزید سے یاد کیا جاتا ہے" حضرت ابن عباسؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ ان اھل الجنۃ یرون ربھم کل جمعۃ (یحیی بن سلام) جنتی لوگ اپنے پروردگار تعالیٰ کی رویت سے ہر جمعہ کے دن مشرف ہوتے رہیں گے" حضرت حسن بصریؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

نابیناؤں کو بشارت حضرت انسؓ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے کہ ارشاد باری ہے:۔ من سلبت کریمتیہ جزاؤہ الحلول فی داری والنظر الی وجھی (طبرانی وغیرہ) میں جس کی دو عزیز چیزیں (آنکھیں) سلب کرلیتا ہوں تو اس کا بدلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ میرے گھر (جنت) میں داخل ہوگا اور مجھے دیکھتا ہوگا"

دیدار الٰہی نصیب ہونیکی تدبیر حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ فرماتے ہیں:۔ کنا جلوسا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ نظر الی القمر لیلۃ البدر فقال انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر لیلۃ البدر لا تضامون فی رؤیتہ فان استطعتم ان لا تغلبوا علی صلاۃ قبل طلوع الشمس وقبل

غروبھا فافعلوا۔ (بخاری مسلم) ہم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں آپ کی نظر مبارک چودھویں شب میں چاند پر پڑی تو فرمایا کہ تم سب اپنے پروردگار کو عنقریب دیکھو گے جیسا کہ اس چاند کو بدر کی رات میں دیکھ رہے ہو اس کی رویت میں کوئی تکلیف نہیں پاتے ہوں گے۔ لہذا اگر تم سے ہوسکے کہ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے کی نماز (یعنی نماز فجر) اور آفتاب غروب ہونے سے پیشتر کی نماز (یعنی نماز عصر) تم سے چھوٹ نہ سکے تو تم ضرور اس کی پابندی کرو" مطلب یہ کہ جہاں تک ہوسکے نماز فجر اور عصر کی جماعت میں ضرور شریک رہا کرو۔ یہی وقت دیدار الٰہی کا ہوگا۔ اور ان نمازوں کی پابندی سے دیدار نصیب ہوگا۔ اللّٰھم اجعلنا منھم آمین ثم آمین۔

حصول دیدار کیلئے دُعا حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعو اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَذَّۃَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْھِکَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِکَ فِیْ غَیْرِ ضَرَّآءَ مُضِرَّۃٍ وَلَا فِتْنَۃٍ مُضِلَّۃٍ۔ (لالکائی) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے کہ الٰہی! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ بعد کی زندگی پرسکون ٹھنڈی ہو اور آپ کا جمال بے کیف دیکھنے کی لذت حاصل ہوتی رہے اور آپ سے

ملنے کا شوق دامنگیر ہو جس میں نہ کوئی ضرر رساں تکلیف ہو اور نہ کوئی پریشان کن فتنہ درپیش ہو۔"

دیدارِ الٰہی کا مقام حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں: ـ لن تروا ربکم حتیٰ تموتوا۔ (دارقطنی) تم اپنے پروردگار کو مرنے سے پہلے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔" ایسی ہی ایک روایت حضرت ابوہریرہؓ سے امام لالکائی نے بھی نقل فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ـ تلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب ارنی انظر الیک قال قال اللہ تعالی یاموسیٰ انہ لا یرانی حیّ الامات ولا یابس الا تدھدہ ولا رطب الا تفرق وانما یرانی اھل الجنۃ لا تموت اعینھم ولا تبلی اجسادھم۔ (ابونعیم) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیۂ کریمہ رب ارنی انظر الیک کی تلاوت فرمائی جس میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی درخواست کا بیان ہے کہ پروردگار من! اپنے آپ کو مجھے دکھائیے۔" اس کے بعد فرمایا کہ اللہ سبحانہ نے حضرت موسیٰؑ کی درخواست کے جواب میں فرمایا: ـ موسیٰ! مجھے جس کسی زندے نے دیکھ لیا وہ زندہ نہیں رہ سکتا اور کوئی خشک چیز دیکھ لے تو وہ پارہ پارہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور اگر کوئی تر چیز دیکھ لے تو وہ غرق ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے صرف اہل جنت ہی دیکھ سکتے ہیں۔

جن کی آنکھیں کبھی فنا نہیں ہو سکتیں اور جن کے جسم کبھی بوسیدہ نہیں ہو سکتے۔"

لقاءِ ربّ کی تفسیر حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے آیۂ کریمہ فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً کی تفسیر میں فرمایا:-

من اراد ان ینظر الی خالقہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بہ احداً (بیہقی)

یعنی جو کوئی اپنے خالق مختار کو دیکھنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ اس کے شائستہ کام کرتا رہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔"

دیدارِ الٰہی آیات واحادیث سے بہر حال آیۂ کریمہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ کے علاوہ اور بھی آیات کریمہ ہیں جن سے رویت باری تعالیٰ عز اسمہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً آیۂ فمن کان یرجوا لقاء ربہ کہ یہاں لقاء سے رویت مراد ہوتا حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی روایت سے ثابت ہوا۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ ہے "یعنی ان لوگوں کے لئے جنھوں نے دنیا میں ہمیشہ اچھے کام کئے جنت ہے اور اس پر اضافہ ہے۔" مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں زیادۃ سے مراد دیدار الٰہی ہے۔ نیز ارشاد مولیٰ تعالیٰ ولدینا مزید۔ "اور ہمارے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر اجر ہے۔" یہاں بھی مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مزید سے مراد اللہ سبحانہ کا

دیدار ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی آیات کریمہ ہیں جن سے دیدار الٰہی مراد لیا گیا ہے۔ نیز ان آیات کی تفسیر میں مسند احادیث شریفہ ہیں جن میں رویت باری کی تصریح فرمائی گئی ہے اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو رویت باری کی حقانیت تواتر معنوی کے درجہ کو پہنچتی ہے۔ یہاں ان تمام کا ذکر موجب طوالت تصور کر کے اسی پر اکتفا کی گئی۔ ان ہی آیات اور احادیث شریفہ کی بنا پر اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع اور عقیدہ ہے کہ باری تعالیٰ کا دیدار آخرت میں حق ہے۔

دیدار الٰہی کے مدارج البتہ اس رویت کے مدارج ہیں جیسے کہ اہل جنت کے مدارج مختلف و متفاوت ہیں کوئی ایسے ہیں جن کو یہ دولت بے مثال سال میں ایک دفعہ دو دفعہ مثل عید الفطر و عید الاضحیٰ نصیب ہوگی۔ کسی کو مہینہ میں ایک دفعہ کسی کو ہر ہفتہ میں ایک دفعہ بروز جمعہ کسی کو روزانہ ایک دفعہ یا صبح و شام دو دفعہ یا دن میں کئی دفعہ اور ایسی بھی بابرکت ہستیاں ہیں جن کو دائمی طور پر اس دولت جاویدسے لطف اندوز رہنے کی سعادت نصیب ہوگی۔ کسی نے کیا خوب کہا:

دن رات تھا جلوۂ خدا پیش نظر　　معراج ہوئی تو کیا نئی بات ہوئی

جنت سے محروم دیدار سے محروم رہے وہ جو جنت ہی سے محروم ہیں وہ دیدار الٰہی سے بھی محروم رہیں گے۔ آگے کی آیۂ کریمہ میں انھیں کا بیان آ رہا ہے۔

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۔ اور بہتیرے چہرے اس دن اُداس ہوں گے خیال کرتے ہیں کہ ان پر وہ آفت آئی جس سے ٹوٹیں انکی کمر کے منکے " اور سورہ والمطففین میں اس سے بھی زیادہ وضاحت فرمائی گئی ہے جہاں ارشاد ہوا ہے: كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۔ کچھ نہیں یقیناً وہ اپنے پروردگار سے اس دن حجاب میں ہوں گے " یعنی دیدار الٰہی سے محروم ہوں گے کیوں کہ وہ اللہ سبحانہ کے قائل ہی نہ تھے ۔ اور کوئی قائل بھی تھا تو اس کی کتابوں، پیغمبروں اور ان کی ہدایات کو مانتا نہ تھا۔ یا یہ کہ معتزلہ و فلاسفہ کی طرح رویت باری کا منکر تھا۔ العیاذ باللہ۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝ وَّظَنَّ 75-26
75-27
75-28

علہ امام قرأت سیدنا حفص آیۂ کریمہ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ میں کلمہ مَنْ پر سکتہ یعنی وقفہ خفیفہ کرتے ہیں جس میں سانس ٹوٹنے نہیں پاتی اور نہ نون ساکن کا ادغام رآء میں ہوتا ہے اور دیگر قرائے کرام یہاں سکتہ نہیں کرتے بلکہ ادغام کے ساتھ وَقِيْلَ مَنْ رَّاقٍ پڑھتے ہیں جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ نون ساکن کے بعد راء آجائے تو نون کو رآء سے بدل کر راء کو راء میں ادغام کرنا چاہیے۔

مفسرین کرام نے اس کی کئی توجیہات کی ہیں جس میں عام فہم توجیہ یہ ہے کہ مَنْ رَاقٍ میں

اَنَّہُ الْفِرَاقُ ۙ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۙ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ نِ 75-29 75-30

الْمَسَاقُ ؕ ع ہرگز نہیں جس وقت جان پہنچے ہانس تک اور لوگ کہیں کون ہے

جھاڑنے والا اور وہ سمجھ گیا کہ اب آیا وقت جدائی کا اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی

تیرے رب کی طرف ہے اس دن کھنچ کر چلا جانا۔

حیات دنیا کا انجام ارشاد ہو رہا ہے کہ تم جو حبّ دنیا میں گرفتار ہو اور آخرت کو بھولے ہوئے ہو یہ خیال چھوڑ دو یہ طریقہ تمہارے لئے مفید نہیں۔ ایک دن ایسا آنیوالا ہے کہ تمھاری جان صرف ہنسلی کی ہڈیوں میں رہ جائیگی اس وقت کہنے والے کہیں گے کہ کوئی ہے منتر پڑھنے والا اس مصیبت کا دفعیہ جھاڑ پھونک کے ذریعہ کرنے والا مگر یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دو کلمے ہیں۔ ایک مَنْ اور دوسرا رَاقٍ۔ مَنْ مبتدا ہے اور رَاقٍ اسکی خبر مبتدا و خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ بنتا ہے اگر ادغام کیا جائے تو مَرَّاقٍ ایک ہی کلمہ ہو جائے گا۔ اور ترکیب و معنی بگڑ جائینگے۔ اسلئے مَنْ پر سکتہ کرنا ضروری ہے نیز یہ کہ امام حفصؒ نے اپنے استاد سیدنا امام عاصم کوفیؒ سے ایسا ہی پڑھا اور عام سنا ہے۔

فقیر کے نزدیک یہاں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ اگر مَنْ پر جو مبتدا ہے وقفہ یعنی سکتہ کیا جائے تو سننے والے کو اسکے سنتے ہی انتظار پیدا ہوتا ہے اور اسکے بعد جو خبر بیان کیجائیگی اسکو توجہ اور دلچسپی کیساتھ سنیگا اور یہاں بھی تشویق و ترغیب مطلوب ہے۔ واللہ اعلم۔ یہی حال سورہ مطففین میں بَلْ رَانَ کی قرأت کا ہے کہ سیدنا حفصؒ بَلْ پر سکتہ کرتے ہیں اور دیگر قرّاء سکتہ نہیں کرتے بلکہ ادغام کیساتھ عام قاعدے کے مطابق پڑھتے ہیں

سب جانتے ہیں کہ جب انسان کا وقت اخیر آجاتا ہے تو نہ کوئی حکیم طبیب کام آسکتا ہے اور نہ کوئی تعویذ یا منتر سے کام چل سکتا۔ نہ اور کوئی تدبیر مفید ہوسکتی ہے۔ زن و فرزند عزیز و اقارب اور جملہ دوست احباب کی بے بسی دیکھ کر وہ شخص جس پر موت کی مصیبت آپڑتی ہے وہ خود بھی سمجھ جاتا ہے کہ اب ان تمام تعلقات کے ٹوٹنے اور سب سے جدا ہونے کا وقت آن پہنچا۔ یہ ایسی کٹھن گھڑی ہے جو ٹلتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ اسی تردد و پریشانی میں وہ وقت بھی آجاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں سیدھے کئے جاتے۔ اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے ملا دی جاتی ہے۔ آنکھیں بند کردی جاتی ہیں اور منہ پر ڈھاٹا باندھ دیا جاتا ہے۔ پھر نہلا دھلا کر، پوشاک بدل کر گھر سے نکالا جاتا اور پروردگار عالم کے حضور میں جہاں سے اس کی آمد ہوئی تھی پہنچا دیا جاتا ہے۔

موت کا حسرتناک منظر غور کیجئے کہ یہ ایسا حسرتناک منظر ہے کہ انسان کے سارے منصوبے جو قیامت تک کے لئے بنائے گئے تھے اپنی جگہ رہ گئے۔ تمام ساز و سامان، دھن دولت، گھر بار، خویش و اقارب یہاں تک کہ زن و فرزند کسی سے کچھ بن نہ پڑ سکا۔ پوری کوششیں یکے بعد دیگرے صرف کردینے پر بھی کچھ نہ ہوسکا۔ خیالات اور آرزوؤں کا ایک نامتناہی سلسلہ تھا کہ ایسا کروں گا اور

یوں کہوں گا۔ یہ تدبیر کروں گا۔ ان سے ملوں گا۔ یوں ڈراؤں گا اور یوں دھمکاؤں گا یا اس طرح منت سماجت کروں گا۔ خوشامد و چاپلوسی سے کام لوں گا۔ سفارش پہنچاؤں گا یا کسی کو دے دلا کر رخصت کروں گا۔ مگر ہائے افسوس! ایک بھی نہ چل سکی۔ آخر ہوا وہی جو ہونا تھا۔ اب نہ افسوس کام دیتا ہے نہ شور یا واویلا۔

مابعد الموت کیلئے تیاری انسان کو جب یہ معلوم ہے اور یقیناً ہر شخص جانتا ہی تو مقام غور و فکر ہے کہ جو کچھ کرنا ہے سوچ سمجھ کر اس وقت کے آنے سے پیشتر ہی کر لے۔ ہر برائی سے توبہ کرے۔ خدا اور رسول پر ایمان لائے۔ عمل صالح میں لگا رہے۔ ہر ایک معاملہ خواہ وہ فیما بینہ و بین اللہ ہو یا فیما بینہ و بین الناس اسکی اصلاح کی فکر کرے اسی کے لئے وہ دنیا میں آیا تھا اور اسی کی خاطر اللہ کی کتابیں نازل ہوئی تھیں اور اللہ کے پیغمبر اسی کی تعلیم و تلقین فرماتے رہے۔ اور اسی کے مدنظر عدل و انصاف میزان عدل، جنت و دوزخ، حساب و کتاب، سوال و جواب، ثواب و عقاب مقرر ہوا تھا۔ ورنہ کسی عاقل کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ انسان یہاں یوں ہی عبث طور پر بھیجا گیا؟ لا واللہ ثم لا واللہ۔

راق کی دوسری تفسیر بعض مفسرین کرام نے مَنْ رَاقٍ کی تفسیر دوسرے طریق سے فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:۔ تنقوع نفسہ

حتی اذا کانت فی تراقیہ قیل من یرقی بروحہ ملائکۃ الرحمۃ او ملائکۃ العذاب۔ (ابن ابی الدنیا، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) عالم نزع درپیش ہوتا ہے اور ایک ایک عضو سے جان نکلتی جاتی ہے۔ شدہ شدہ جب وہ گڈ گدی میں آجاتی ہے تو ملائکہ کرام میں چہ میگوئیاں شروع ہوتی ہیں کہ انکی روح کو اوپر کون اٹھالے جائے۔ آیا فرشتگان رحمت یا ملائکہ عذاب۔" حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں یختصم فیہ ملائکۃ الرحمۃ وملائکۃ العذاب ایھم یرقی بہ۔ (سعید بن منصور، ابن المنذر) اس شخص کی نسبت ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب میں بحث چھڑ جاتی ہے کہ اس کی روح کون لے جائے؟ فریق اول یا فریق ثانی؟ حضرت ابو الجوزاء سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اصل یہ ہے کہ راق کا اشتقاق اگر رُقیۃ سے لیا جائے تو اس کے معنی منتر کے ہیں چنانچہ پہلی تفسیر اسی بناپر عرض کی گئی ہے یہ جمہور مفسرین کی رائے ہے۔ منتر خواہ جھاڑ پھونک کے ذریعہ ہو یا دوا درماں یعنی تدبیر وعلاج۔ اور اگر اس کا اشتقاق رُقیٌ سے ہو تو اس کے معنی اوپر چڑھنے اور ترقی کرنے کے ہیں۔ حضرت ابن عباس رض وغیرہ اسی طرف گئے ہیں۔ دونوں معانی اپنے اپنے اعتبار سے درست ہیں۔

واللہ اعلم بمرادہ بذالك۔

والتفت الساق کی دوسری تفسیر	اسی طرح وَالۡتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے وہ بھی حضرت ابن عباسؓ سے ہی مروی ہے:۔

التفت الدنیا بالآخرۃ آخر یوم من ایام الدنیا واول یوم من ایام الآخرۃ فتلتقی الشدۃ بالشدۃ الا من رحم اللہ۔ (ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم) دنیا کو آخرت کے ساتھ ملا کر لپیٹ دیا گیا۔ چنانچہ موت کا دن دنیا کے دنوں کا آخری اور آخرت کے دنوں کا پہلا دن ٹھہرا۔ (جو ظاہر ہے کہ ہر دو بڑے کٹھن دن ہیں۔ دنیا کا آخری دن کٹھن اس لئے کہ سب کا حساب چکا کر یہاں سے چلنا ہے۔ اور آخرت کا پہلا دن کٹھن اس وجہ سے ہے کہ ابھی تک اس عالم سے کبھی سابقہ نہیں پڑا۔ معلوم نہیں وہاں کیسی گزریگی؟) تو ایک شدت دوسری شدت سے مل جائے گی اور ایک انسان دو قسم کی سختیوں میں گھر جائے گا۔ کسی ایک شدت سے عہدہ برآ ہونا ہی غور طلب ہے پھر چہ جائیکہ ایک کی جگہ دو شدتیں مختلف النوع جمع ہو جائیں۔ ہاں جس کے حال پر اللہ سبحانہ کی مہربانی و عنایت شامل ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے" اس کو کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو قلب سلیم لئے ہوئے اپنے معبود جل جلالہ کے دربار میں حاضر ہیں (الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔)

الی ربک یومئذ المساق کی تفسیر	اِلٰی رَبِّکَ یَوۡمَئِذِ الۡمَسَاقُ۔ اس دن تیرے

رب کی طرف ہی روانگی ہے" یعنی انسان خواہ وہ مومن ہو یا کافر' نیک ہو یا بد' سب کو موت کے بعد پروردگار ہی کی جانب چلنا ہے۔ کیونکہ انسان جہاں سے آیا تھا وہیں پلٹ کر جائے گا۔ اس کے بعد سوال وجواب' حساب وکتاب' ثواب وعقاب جو کچھ ہونا ہے ہوگا۔ جب حقیقت حال یہ ہے تو انسان کو چلنے سے پیشتر اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے تاکہ وہاں سرخروئی حاصل ہو۔

صوفیۂ کرام فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ سبحانہ کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں ان کے لئے اس آیۂ کریمہ میں خوشخبری ہے کیونکہ ارشاد ہوا ہے:۔ الی ربک انسان کی بازگشت اس کے پروردگار کی طرف ہے۔ پروردگار نے جہاں اب تک اس کو پالا پوسا ہر لحظہ اس کی تربیت فرماتا رہا تو امید ہے کہ وہاں جانے کے بعد خوش وخرم رہیگا۔ کیونکہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔

امام رازی کا استنباط امام فخر الدین رازیؒ آیہ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ کی نسبت فرماتے ہیں:۔ ھذہ الآیۃ تدل علی ان الروح جوھر قائم بنفسہ باقٍ بعد موت البدن لان اللہ تعالی سمّی الموت فراقا والفراق انما یکون اذا کانت الروح باقیۃ فان الفراق والوصال صفۃ وھی تستدعی وجود الموصوف۔ (تفسیر کبیر) یہ آیۂ کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ روح جوہر ہے

اپنی ذات سے قائم ہے بدن کے مرجانے اور فنا ہوجانے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ کیونکہ

اللہ سبحانہ نے موت کا نام یہاں "فراق" یعنی جدائی رکھا ہے۔ اور فراق اسی وقت

کہا جائے گا جبکہ جدا ہونے والی چیز جو روح ہے باقی رہے۔ کیونکہ فراق یعنی جدائی

اور اس کی ضد وصال یعنی ملاپ یہ دونوں اوصاف ہیں۔ اور ہر وصف اپنے

موصوف کو چاہتا ہے۔ بغیر موصوف کے صفت نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ

روح انسان کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے لہٰذا روح جوہر مجرد عن المادہ ہے

اور بذاتہ قائم ہے۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۙ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۙ ثُمَّ ذَهَبَ 75-31 75-32 75-33

اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ؕ پھر نہ یقین لایا اور نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ موڑا

پھر گیا اپنے گھر کو اکڑتا ہوا۔

فلا صدق ولا صلّٰی کی تفسیر یہاں سے عدی بن ربیعہ یا ابو جہل کا بیان

ہو رہا ہے جن کا قصہ اس سورۂ شریفہ کے آغاز میں گزرا۔ یا عام کفار کا حال بیان

فرمایا جا رہا ہے کہ ان میں سے کسی نے نہ تو اللہ سبحانہ کو مانا اور نہ اس کی نازل کی ہوئی

کتاب اور بھیجے ہوئے رسول کی تصدیق کی اور نہ اس کے دیئے ہوئے احکام جن میں

مقدم تر نماز ہے اس کو ادا کیا بلکہ تصدیق کی جگہ تکذیب کرتے رہے اور اطاعت سے

روگرداں رہے بلکہ سب کچھ سن کر کسی بات کو مانے بغیر اپنے گھر اور اہل وعیال کی طرف واپس چلے گئے۔ پھر اس واپسی میں کچھ غور و فکر یا کوئی ندامت و پشیمانی بھی ساتھ نہیں بلکہ کمال تمرد و سرکشی کے ساتھ اکڑتے ہوئے واپس ہوئے۔ جن کا دماغ تکبر کے نشہ میں چور، جن کے قلوب پتھر سے زیادہ سخت، اب ان کی اصلاح ہو تو کیسے ہو۔

دوسری تفسیر | بعض مفسرین نے صَدَّقَ سے زکاۃ مراد لی ہے۔ اس صورت میں معنی یوں ہوں گے کہ عدی یا ابوجہل یا کافر نے نہ تو زکاۃ دی جو مالی عبادت ہے اور نہ نماز ادا کی جو بدنی عبادت ہے بلکہ ان سب کا انکار کر کے اپنے گھر کو اکڑتا ہوا چلا گیا۔ مگر یہ قول ضعیف ہے اس لئے کہ یہ سورت شریفہ مکیہ ہے۔ اور زکاۃ کا حکم ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آیا تھا۔ نیز صَدَّقَ کے مقابل کَذَّبَ آیا ہے اس سے قول اول ہی کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے اسی لئے آیہ کریمہ کا ترجمہ ہم نے "یقین نہ لایا" کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ خرابی ہے تیری، اور 75-34 75-35
خرابی پر خرابی ہے تیری، اور خرابی پر خرابی ہے تیری۔"

اولٰی لک کی تفسیر | مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کا کلام اور اس کے بتائے ہوئے احکام اچھی طرح سن لینے کے بعد بھی اس سے متاثر اور نصیحت پذیر نہ ہوتا، یہ کم بختی

اور شقاوت کی نشانی ہے۔ پھر ایسے ہدایات اور حکمتوں سے بھرے احکام معلوم ہو جانے پر ان کی تصدیق نہ کرنا اور ان پر عمل نہ کرنا، بلکہ ان کی تکذیب کرنا اور اعراض کر کے چلے جانا، اور جانا بھی اینٹھتے ہوئے اکڑتے ہوئے، یہ خودسری اور تمرد ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بدبختی سر پر سوار ہے۔ اور جو کوئی اس حالت کو پہنچ جاتا ہے اس کی اصلاح کے لئے کوئی تدبیر مفید نہیں پڑتی۔ اب ایک ہی صورت ہے کہ ایسے شخص کو اس کے کیفر کردار کو پہنچایا جائے۔ جب یہ نوبت ہے تو خرابی اور خرابی پر خرابی، تباہی وبربادی اور تباہی وبربادی پر تباہی وبربادی سامنے ہے۔ اس کو ان تمام خرابیوں، تباہیوں اور بربادیوں کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ ایک خرابی نہ ماننے کی، دوسری احکام پر عمل نہ کرنے کی، تیسری تکذیب کرنے اور جھٹلانے کی۔ اور اور چوتھی تبختر اور تکبر کی۔

تفسیر از منقول اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:

فلا صدق قال بکتاب اللہ ولا صلی ولکن کذّب بکتاب اللہ وتولی عن طاعۃ اللہ ثم ذھب الی اھلہ یتمطّی قال یتبختر۔ نہ تو اس نے کتاب اللہ کو مانا اور نہ نماز پڑھی لیکن اللہ کی کتاب کو جھٹلایا اور اللہ کی طاعت سے منہ موڑا۔ پھر اپنے گھر کو (اپنے اہل وعیال کے پاس بڑی شان دکھاتا ہوا)

اکڑتا گیا"

الانسان کی تفسیر

وھوا بوجھل بن ھشام کانت مشیتۃ ذکر لنا ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ بمجامع ثوبہ فقال اولی لک فاولی ثم اولی لک فاولی وعیدا علی وعید فقال ما تستطیع انت ولا ربک لی شیئا وانی لاعز من مشی بین جبلیھا۔ وہ ابوجہل بن ہشام ہی تھا جس کی چال ایسی تھی۔ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا دامن پکڑ کر کمال شفقت ومرحمت سے فرمایا کہ دیکھ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیری خرابی آ گئی ہے اور خرابی پر خرابی آچکی ہے پھر غور کر اور سمجھ لے ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ تیری کم بختی آ گئی ہے اور کم بختی پر کم بختی آچکی ہے کہ ہماری ایسی دل گداز نصیحتوں کا جواب بجائے تسلیم وانقیاد کے تو انکار وتکذیب سے دے رہا ہے اور بجائے اطاعت وفرماں برداری کے اعراض وسرکشی سے کام لے رہا ہے، نیز خدا ورسولؐ کے ہدایات واحکام کے مقابلہ میں تبختر وتکبر کی چال چل رہا ہے۔ تیرے لئے وعید پر وعید اترتی نظر آتی ہے۔ اس کے جواب میں ابوجہل لعین نے کہا کہ نہ تم میرا کچھ کر سکتے ہو اور نہ تمہارا خدا میرا کچھ بگاڑ سکتا ہے میں تو وہ ہوں جو مکہ کے پہاڑوں کے دونوں سلسلوں کے درمیان جتنے آدمی بستے

چلتے پھرتے ہیں ان سب میں میری عزت بڑھی چڑھی ہے"

ابو جہل اس امت کا فرعون تھا

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ و ذکر لنا ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول ان لکل امۃ فرعونا وان فرعون ھذہ الامۃ ابو جھل۔ (عبدالرزاق عبد بن حمید ابن المنذر) ہم سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ (ابو جہل لعین کی ایسی ہی تعلّیوں اور شیخیوں کے مدنظر) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ہر امت میں ایک فرعون گزرا ہے (کچھ موسیٰ علیہ السلام کی امت پر ہی موقوف نہیں) اور اس امت کا فرعون یقیناً ابو جہل ہے" چنانچہ غزوۂ بدر میں جب یہ مارا گیا اور مسلمانوں کے دو نو عمر بچوں نے اس کا کام تمام کیا پھر اس کی اطلاع حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش گزار ہوئی تو ارشاد مبارک ہوا:۔ ھلک فرعون ھذہ الامۃ۔ اس امت کا فرعون ہلاک ہو چکا" یہی حال عدی بن ربیعہ اور ان جیسے متکبر کفار کا سمجھ لینا چاہیے۔

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی ؕ اَلَمۡ یَکُ نُطۡفَۃً 75-36 75-37

مِّنۡ مَّنِیٍّ یُّمۡنٰی ۙ ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً فَخَلَقَ فَسَوّٰی ۙ فَجَعَلَ مِنۡہُ 75-38 75-39

الزَّوۡجَیۡنِ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰی ؕ اَلَیۡسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ 75-40

ع ۲ ۱۸ يُحْيِيَ الْمَوْتٰى ؏ کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ چھوٹا رہیگا بے قید، بھلا نہ تھا وہ
ایک بوند منی کی جو ٹپکی، پھر تھا خون جما ہوا، پھر اس نے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا
پھر کیا اس میں جوڑا نرا اور مادہ، کیا وہ خدا زندہ نہیں کر سکتا مردوں کو۔

یترك سدی کی تفسیر ارشاد ہو رہا ہے:۔ ایحسب الانسان ان یترك سدی۔ کیا انسان کا یہ خیال ہے کہ وہ مہمل چھوڑ دیا جائیگا"عرب کا محاورہ ہے:۔ ابل سدیٰ اے مھملة ترعی حیث شاءت بلا راع۔ وہ کہتے ہیں ابل سدی۔ چھوڑ دیئے ہوئے اونٹ ہیں جو چرتے ہیں جہاں چاہیں اُن کا کوئی چروا ہا نہیں ہے" اسی کے مطابق یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ عدی بن ربیعہ یا ابوجہل یا عام انسان کیا یہ خیال رکھتا ہے کہ وہ چھوٹا رہیگا بلاقید۔ یعنی اس پر کوئی امر و نہی جاری نہ ہو گا۔ اس کے جی میں جو آئے کرتا رہیگا۔ اور جہاں چاہیگا جائیگا۔ جو چاہیگا کھائیگا۔ اور جو چاہے بکتا رہیگا۔ اس پر کوئی دار و گیر نہ ہوگی، اور نہ کوئی ذمہ داری عاید کی جائیگی۔ جیسا کوئی شتر بے مہار ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ اگر یہی صورت ہو تو نظام عالم برخاست ہو جائیگا اور لوگوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو جائے گا۔ اور ساری دنیا بجائے امن و عافیت کے شور و شر اور ظلم و فساد کا اڈہ بن جائیگی اور کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔

دوسری خرابی یہ لازم آئیگی کہ اللہ سبحانہ جو تمام کائنات کا خالق ہے اکی طرف اس تمام شور وشر اور ظلم وفساد کی نسبت ہوگی۔ نیز خدائے قدوس کا ان تمام خرابیوں اور منکرات وفحش کاریوں سے راضی ہونا لازم آئے گا۔ معاذ اللہ معاذ اللہ درحالیکہ اللہ سبحانہ تو حکیم ہے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ لہذا عقلاً یہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے تمام کائنات پیدا کی پھر اسکو انسان کیلئے مسخر و تابع فرمان بنایا تو ضرور ہے کہ انسان بھی اللہ سبحانہ کا تابع فرمان ہو جیسا کہ حدیث قدسی ہے:۔ ابن آدم خلقت الاشیاء لك وخلقتك لی۔

اے فرزند آدم! میں نے تمام چیزیں تیرے لئے پیدا کیں اور تجھکو اپنے لئے بنایا۔"

اور قرآن کریم میں ارشاد ہوا:۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

اور میں نے تمام جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔"

یہی سبب ہے کہ انسان کی ہدایت کے لئے کتابیں نازل ہوئیں اور پیغمبر بھیجے گئے۔ چنانچہ قرآن کریم اس سلسلے کی آخری کتاب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے آخری نبی ورسول ہیں۔ ان کے ذریعہ اوامر ونواہی اور زندگی کے بہترین طور طریقے سکھائے گئے۔

منکرین قیامت کا انکار بلا دلیل اس کے برخلاف جو لوگ یہ عقیدہ

رکھتے ہیں کہ قیامت کوئی چیز نہیں۔ انسان جو چاہے کرے اس سے کوئی پرسش نہیں اور نہ کوئی سزا و جزا ہے تو اس سے یہی لازم آیا کہ انسان کی آفرینش کا کوئی مقصد نہیں۔ ایسا عقیدہ از روئے عقل و نقل فاسد اور بدیہی البطلان ہوگا۔ دیکھا جا رہا ہے کہ اکثر افعال خیر و شر کی جزا و سزا دنیا میں نہیں ملتی اسلئے یہ ماننا پڑیگا کہ اس دار دنیا کے بعد ایک دار اور ہے جہاں تمام اعمال کی جزا و سزا ملیگی۔ قرآن کریم نے اسی کی تعبیر "دار آخرت" سے فرمائی ہے اسی طرح انسان کا ایک دفعہ فنا ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا ضروری ہے اور اسی کو قرآن کریم نے "قیامت" "دار آخرت" "بعث بعد الموت" وغیرہ الفاظ سے یاد فرمایا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ انسان کی آفرینش بے قید عبث، مہمل طریق پر ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی مہمل قرار دیتا ہے تو اس کا ایسا خیال باطل غلط اور گمراہ کن ہے۔ مزید وضاحت مطلوب ہے تو اسکی توضیح آگے آ رہی ہے۔

انسان کی آفرینش اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰى ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ؕ

کیا وہ انسان (اپنی ابتدائے آفرینش میں) منی کی بوند نہ تھا جو (رحم میں) ٹپکائی جاتی ہے پھر وہ بستہ خون ہوا پھر اللہ نے اس کو بنایا تو پورا انسان بنا۔ پھر

اسی پانی سے جوڑا بنایا نر و مادہ۔" مرنے کے بعد انسان کے دوبارہ جی اٹھنے کی یہ دوسری دلیل ہے کہ انسان اپنی آفرینش پر غور کرے کہ اس کی ابتدا پانی کی بوند سے ہوئی جو محل نجاست سے برآمد ہوا اور دوسرے محل نجاست سے رحم میں داخل ہوا چالیس راتیں گزرنے پر وہ خون بنا پھر چالیس راتوں کے بعد بستہ خون ہوا۔ پھر چالیس راتوں کے بعد وہ گوشت بنا پھر چالیس راتوں کے بعد اسکے اعضا تراشے گئے پھر چالیس راتوں کے بعد اس میں ہڈی پیدا ہوئی پھر چالیس راتوں کے بعد اس میں روح پھونکی گئی تو وہ حرکت میں آیا پورا انسان بننے کے بعد وہ پیدا ہوا۔ یہی حال اسکے جوڑے کا ہے کہ وہ بھی اسی طرح پیدا ہوا۔ ایسے کی ابتدا اس طرح ہو اس کو کب زیب دیتا ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے خالق بے نیاز سے روگرداں ہو اور اس کے احکام کی پرواہ نہ کرے اور اسکی اتاری ہوئی کتابوں اور بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان نہ لائے۔ حیف صد حیف کہ ان میں ایسے افراد بھی ہیں جو اپنی آفرینش کے حال سے پوری طرح واقف ہوتے ہوئے بھی اپنے مالک و خالق اور اسکی کتابوں کا اور رسولوں کا انکار کر رہے ہیں اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر بھی اون کا ایمان نہیں۔

الیس ذلک کی تفسیر | اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی۔ کیا وہ اللہ اس امر پر قدرت نہیں رکھتا کہ ان مرے ہوئے انسانوں کو دوبارہ جلائے۔" جب انسان

کچھ نہ تھا تو اللہ سبحانہ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے انسان کو مذکورہ طریق پر بتدریج بنایا تا کہ انسان اپنی بے بسی اور اسکے بنی نوع کی نارسائی کا حال جان کر اللہ سبحانہ پر ایمان لائے اور اسکی قدرت و حکمت کا قائل ہو۔ کیونکہ انسان کی پیدائش کے انتظامات اس عجیب و غریب طریقے سے ایسی جگہ یعنی رحم مادر میں کئے گئے جہاں کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی اور نہ کسی کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے۔ پھر پیدائش کا یہ اہتمام اسوقت عمل میں آیا جبکہ انسان کا کوئی ذکر، نام، نشان کچھ نہ تھا۔ ایسی معدومی کی حالت میں اللہ سبحانہ قادر ہے کہ اسکو نیست سے ہست کرے تو اس کا وجود ہونے اور ایک مدت معینہ تک دنیا میں قیام کر کے بچے سے جوان اور جوان سے بوڑھا اور بوڑھے سے پیر فانی بننے پھر اسکے وفات پانے کے بعد جبکہ اس پر موجودگی اور ہستی کے یہ تمام دور گزر چکے جسکو تمام دنیا سالہا سال جیتا جاگتا، اٹھتا بیٹھتا، چلتا پھرتا، کام کاج کرتا اور سارے معاملات طے کرتا ہوا دیکھتی رہی کیا اسی قادر حکیم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ دوبارہ اس مردہ انسان (زید و عمر و بکر وغیرہم) کو زندہ کرے تا کہ اسکی عمر بھر کے کام کلام اور سارے مصائب و آلام یا راحت و آرام کا محاسبہ کرے اور اسکی جزا و سزا تجویز فرمائے۔ بے شک اللہ سبحانہ سے یہ سب ہو سکتا ہے اور ایسا ہونا چاہیئے تا کہ خدائے قادر و حکیم کا انسان کو پیدا کرنا عبث اور مہمل، حکمت سے خالی نہ قرار پائے۔

کفار کا انکار لغو اور مہمل ہے عدی بن ربیعہ ابوجہل یا ان جیسے تمام منکرین بعث و نشور کا یہ کہنا کہ ایان یوم القیامۃ قیامت کا دن کب اور کہاں ہے؟ بالکل لغو مہمل اور غلط و باطل ہے۔ قیامت قائم ہوگی اور ضرور قائم ہوگی۔ حساب کتاب ہوگا سوال جواب ہوگا ثواب و عذاب ہوگا اور دار آخرت سے متعلق قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں جتنی خبریں دیگئی ہیں وہ سب ہو کر رہینگی۔ کسی منکر کے انکار سے جسکی کوئی دلیل نہیں اللہ سبحانہ کے وعدے بلا تکمیل نہیں رہ سکتے۔ ہر ہر وعدہ پورا ہو کر رہیگا۔ قیامت کا آنا عقل سے نقل سے دلائل سے تجربے سے مشاہدے سے ہر طرح ثابت و محقق ہے۔

آیہ الیس کا جواب حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ ذکرلنا ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول اذا قراءھا سبحانہ وبلی۔ (عبدالرزاق عبد بن حمید) ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس آیہ کریمہ (الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی) کی تلاوت فرماتے تو (اس کے جواب میں یوں) فرماتے: سبحانہ و بلی یعنی آیہ کریمہ کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا وہ خدا مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں تو حضور اکرمؐ جواب میں فرماتے کہ اللہ سبحانہ کی ذات پاک ہے اور کیوں زندہ نہ فرمائیگا ضرور زندہ کرکے اٹھائیگا۔ اور حضرت صالح ابوالخلیل کی روایت میں ہے کہ جواباً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبحان ربی و بلی (عبد بن حمید ابن الانباری) فرماتے یعنی میرا رب پاک ہے

اور کیوں نہیں ضرور زندہ فرمائیگا" اور حضرت ابوہریرہ رض کی روایت میں یہ جواب مذکور ہے:۔ سبحانك اللھم وبلٰی۔ (ابن مردویہ) اے اللہ! آپ کی ذات پاک ہے اور کیوں نہیں ضرور" حضرت ابوامامہ باہلی رض فرماتے ہیں:۔ صلّیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بعد حجته فکان یکثر من قراءة لا اقسم بیوم القیامة فاذا قال الیس ذلك بقادر علی ان یحیی الموتی سمعته یقول بلی وانا علی ذلك من الشاهدین (تاریخ بخاری) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لانے کے بعد میں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ اکثر سورۂ قیامۃ پڑھا کرتے۔ پھر جب سورے کے ختم پر الیس ذلك بقادر علی ان یحیی الموتی پڑھتے تو فرماتے کیوں نہیں میں بھی اس کا شاہد ہوں" حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رض کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیۂ کریمہ کے ختم پر صرف بلٰی کہہ دیا کرو" (ابن المنذر ابن مردویہ) حضرت ابن عباس رض سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

سورۂ قیامۃ کی تفسیر ختم ہوئی۔ فللہ الحمد۔ صلی اللہ تعالی وسلم علی خیر خلقه سیدنا محمد وعلی آله واصحابه اجمعین۔

(پنجشنبہ ۱۶ / رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ)